OPEN ACCESS

AL-TABYEEN

(Bi-Annual Research Journal of Islamic Studies)

Published by: *Department of Islamic Studies, The University of Lahore, Lahore.*

ISSN (Print) : 2664-1178

ISSN (Online) : 2664-1186

Jan-jun-2022

Vol: 6, Issue: 1

Email: altabyeen@ais.uol.edu.pk

OJS: hpej.net/journals/al-tabyeen/index

فقہ اسلامی کی تجدیدی جہتیں، ایک تحقیقی جائزہ

Renewal Dimensions of Islamic Jurisprudence, A Research Review

Attiq-ur-Rehman

Research Scholar, PhD Islamic Studies, Sheikh Zayed Islamic Center, Jamia Punjab, Lahore.

Dr. Hafiz Abdul Basit Khan

Associate Professor Sheikh Zayed Islamic Center University of Punjab, Lahore.

ABSTRACT

Modernisation of Islamic Jurisprudence is the most needed work to do but one has to be very precise while doing this task, in order to ensure the sensitivity of task. Because it has to be Cristal clear that which area needs modernisation, what would be the methodology, how the principles would go across and the genres of modernisation? In this research article some of the important genres of modernisation of Islamic Jurisprudence are highlighted For example Section wise editing and legislation of Islamic Jurisprudence, formation of it's theory, modern conception of MAQAASID-E-SHARIAT and it's efficacy, use of modern teaching tools and aids in the teaching of Islamic Jurisprudence etc.

Keywords: legislation, Jurisprudence, onception

AUSTRALIAN ISLAMIC LIBRARY

INTERNET ARCHIVE

Islamic Research Index

ASIAN Research Index

OPEN ACCESS

بیسویں صدی میں جب مسلم ممالک استعمار کے قبضہ میں گئے تو ایک طرف جدید تعلیمی ادارے قائم کیے گئے اور دوسری طرف مسلم طلبہ کو یورپ کی جدید درسگاہوں میں بھیجا گیا۔ مغربی طرز کی عدالتیں قائم کی گئیں مسلمان مغربی قانون سے آشنا ہوئے تو علوم فقہ کو تنقیدی نظر سے دیکھنے کا سلسلہ شروع ہوا۔ پھر بیسویں صدی کے نصفِ اخیر میں بیشتر مسلم ممالک میں جدید عائلی قوانین نافذ ہوئے۔ یہ شاید مغربی طرز قانون پر فقہ اسلامی کی پہلی تدوین تھی، یہیں سے فقہ اسلامی کی تجدید کی بحث کا آغاز ہوا۔

چونکہ مغرب میں قانون کسی سماوی ہدایت سے مستفاد نہیں ہوتا اس لیے اس میں محض عوامی فلاح و بہبود ملحوظ ہوتی ہے، جبکہ فقہ اسلامی نصوص قرآن و سنت کی پابند ہے لہٰذا مغربی اصول فقہ (western jurisprudence) فقہ اسلامی کے لیے بالکل اجنبی ہیں۔

البتہ مقاصد شریعت کی رعایت اور نصوصِ قرآن و سنت کی تعبیر و تشریح میں اس کا معتدل استعمال مغربی اصول فقہ کے مندرجہ بالا تصور کو کسی حد تک اپنے اندر سمیٹ لیتا ہے۔ رہی یہ بات کے مقاصد شریعت کا لحاظ کن اصولوں کے مطابق کیا جائے؟ فقہ اسلامی کی تدوین کا کوئی جدید اسلوب اپنایا جائے یا نہیں؟، فقہ اسلامی کی اصطلاحات کی نئی تعبیرات وضع کی جائیں یا نہیں؟، بیسویں اور اکیسویں صدی میں جدید فقہ اسلامی کی بحث کے ذیل میں فقہاء کی تحریرات میں اس طرح کے دسیوں سوالات اٹھائے گئے ہیں۔ ایک طرف وہ طبقہ ہے جو تجدید کی ضرورت کو چنداں محسوس نہیں کرتا تو دوسری طرف وہ گروہ بھی ہے جو اس کو وقت کا اہم ترین چیلنج سمجھتا ہے۔ کن اصول و ضوابط کے تحت تجدید ہوگی؟ بنیادی خطوط اور خدوخال کیا ہیں؟

بلاشبہ تجدید وقت کا اہم تقاضا ہے لیکن اس سب سے پہلے یہ طے کرنا ہوگا کہ کون سے احکام میں تجدید کی گنجائش ہے اور کون سے احکام میں تجدید کی گنجائش نہیں ہے۔ پھر جن احکام میں تجدید کی گنجائش ہے ان میں تجدید کا کون سا طریقہ اختیار کیا جائے گا؟ تجدید فقہ اسلامی کی جہات کیا ہیں۔ اس مقالہ میں مقالہ نگار فقہ اسلامی کی تجدید کی ان جہات کی نشاندہی کرنا چاہتا ہے جن پر فقہی تجدید کو استوار کیا جائے تو فقہ اسلامی تحریف و تغییر سے بھی بچ جائے اور معاصر تحدّیات کا مقابلہ بھی کر سکے۔

فقہ اسلامی کی دفع وار تدوین و تقنین

تقنین کے لغوی معنی قوانین وضع کرنے کے ہیں۔ بعض اہل لغت کے مطابق یہ رومی لفظ ہے جبکہ بعض اس

کو فارسی لفظ بھی کہتے ہیں۔ تقنین کا مادہ ق،ن،ن ہے اور یہ باب تفعیل کا مصدر ہے اس کا معنی ہے قانون سازی۔[1]

تقنین کا اصطلاحی معنی

ڈاکٹر وہبہ الزحیلی تقنین کی تعریف کچھ یوں کرتے ہیں۔

"صیاغة احکام المعاملات وغیرہا من عقود ونظریات ممھدہ لھا جامعة لاطارھا فی صورۃ مواد قانونیة یسھل الرجوع الیھا"[2]

"معاملات، عقود اور مختلف افکار سے متعلق احکام شریعت کو آسان اور جامع بنانے کے لیے قانونی مواد کی صورت میں ڈھالنا تاکہ ان کی طرف رجوع آسان ہو تقنین کہلاتا ہے۔"

ڈاکٹر مصطفی الزرقا کی تعریف کا خلاصہ یہ ہے کہ اجتماعی معاملات سے متعلق کسی شعبے میں وارد شرعی احکام و قواعد کو جمع کرنا، ان کی ابواب بندی کرنا، ان کو مرتب کرنا ان کو مختصر واضح اور سلسلہ وار حکمیہ عبارتوں کی صورت میں ڈھالنا، پھر ان کو ایسے قانونی نظام کی صورت میں صادر کرنا جسے کوئی ریاست لازم قرار دے اور ججز حضرات لوگوں کے مسائل کے حل میں اس کے پابند ہوں۔[3]

تدوین اور تقنین میں فرق

لغوی اعتبار سے تقنین کا معنی قانون سازی ہے اور تدوین کا معنی جمع کرنا، اکٹھا کرنا اور مرتب کرنا ہے۔[4] اصطلاحی اعتبار سے تدوین اور تقنین میں یہ فروق ہیں۔ تدوین میں ایک مسئلے کے متعلق کئی فقہاء کی آراء کو جمع کیا جاتا ہے جبکہ تقنین میں صرف ایک رائے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ تقنین میں احکام کو خاص ترقیم تسلسل اور اختصار کے ساتھ نقل کیا جاتا ہے جبکہ تدوین میں کوئی ترقیم، تسلسل اور اختصار نہیں ہوتا۔[5] بعض علماء نے تقنین اور تدوین کے درمیان فرق بیان کرتے ہوئے تدوین کو جائز جبکہ تقنین کو ناجائز قرار دیا ہے۔[6] لیکن اس لغوی

---

[1] وحید الزمان کیرانوی، مولانا، القاموس الوحید، لاہور کراچی، ادارہ اسلامیات،، اشاعت اول 2001، ص 1362

[2] الزحیلی، وھبہ بن مصطفی، ڈاکٹر جھود تقنین الفقه الاسلامی، بیروت، مؤسسة الرسالہ، س ن، ص 26

[3] الزرقاء، مصطفی احمد، المدخل الفقہی العام، دمشق، دارلقلم، طبع دوم 2004 1:313

[4] القاموس الوحید ص558

[5] شیخ عبد المحسن العبیکان، تقنین الاحکام www.aawsat.com

[6] عبد الرحمن مدنی، مولانا، اجتماعی اجتہاد کے تناظر میں تعبیر شریعت اور پارلیمنٹ، لاہور، مجلس التحقیق الاسلامی، 2005، ص:10

اوراصطلاحی فرق کے باوجود بہت سے فقہاء تدوین اور تقنین کو ایک دوسرے کے معنی میں استعمال کرتے ہیں۔

تقنین کے مراحل

کسی بھی مسئلے کو قانون بنانے کے لیے کئی مراحل سے گزارنا پڑتا ہے۔استاذ صبحی المحمصانی نے فقہ کی تدوین و تقنین کے پانچ مراحل بیان کیے ہیں۔پہلے مرحلے میں کسی معین فقہی مذہب کو اپنایا جاتا ہے اور یہ ایک مشکل کام ہے بہت سے لوگ اس میں ناکام ہوئے لیکن سلطنت عثمانیہ اس میں کامیاب ہوئی اور تدوین و تقنین کے لیے فقہ حنفی کو اپنایا۔

دوسرے مرحلے میں مختلف فقہی کتابوں اور فتوی کی کتابوں کے اختصار پر مشتمل ایک جامع اور عام فہم انداز میں کتاب تالیف کی جاتی ہے۔جیسے ہندوستان میں مغل بادشاہت میں فتاوی عالمگیری کو اسی مقصد کی خاطر تالیف کیا گیا۔

تیسرے مرحلے میں ان مختصر فقہی عبارتوں کو قانونی اور حکمی شکل دی جاتی ہے تاکہ قانون کو جدید اسلوب میں ڈھالا جاسکے۔

چوتھے مرحلے میں جب ایک معین مذہب کو قانون سازی کے لیے اصل بنادیا گیا تو دوسرے مذاہب اسلامیہ سے بھی استفادہ کرنا شامل ہے۔

پانچویں مرحلے میں دوسرے ممالک کے قوانین سے کچھ اخذ کرنا شامل ہے۔[1]

استاذ صبحی المحمصانی نے پانچویں مرحلے میں مغربی قانون سے استفادہ کا موقف اختیار کیا ہے جو انتہائی نازک اور حساس معاملہ ہے اسلامی قانون قرآن و سنت سے ماخوذ ہے اور کوئی بھی ایسی چیز نہیں ہے جس کے متعلق شرعی تعلیمات موجود نہ ہوں مغربی قانون سے استفادہ کا مطلب ہے کہ قرآن سنت جامع نہیں ہے۔

بہرحال تقنین کی تعریفات اور تقنین کے مراحل کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد یہ معلوم ہوا کہ تقنین کے اس عمل میں سب سے پہلے زندگی کے کسی ایک پہلو سے متعلق مسائل کو قرآن و سنت اور ائمہ مذاہب کی آراء

---

[1] ابحاث ہیئة کبار العلماء،الرئاسة العامة للبحوث العلمیة والافتاء بالمملکة العربیة السعودیه،2014ء،165,166:3

کی روشنی میں جمع کیا جائے۔ بلکہ ہر شعبہ زندگی سے متعلق ایک علیحدہ باب بنا دیا جائے اور ہر باب کے مسائل کو شماریاتی طریقے سے نمبر دے دیے جائیں تو اسکے بعد مسائل کا حل بیان کرنے والی عبارتوں کو امکانی حد تک مختصر کیا جائے۔ اگر ان میں تضاد ہے یا ابہام ہے تو تضاد دور کیا جائے اور ابہام کی وضاحت کی جائے۔ یہ عبارتیں انتہائی مختصر واضح اور دوٹوک ہونی چاہییں ان مراحل سے گزرنے کے بعد ان عبارتوں کو قانونی شکل میں اور حکمی انداز میں لکھا جائے اب یہ فقہ کی کسی کتاب کے بجائے قانون کی کوئی کتاب نظر آئے۔ اور سب سے آخری اور اہم مرحلہ یہ ہے کہ اس قانون کا نفاذ کیا جائے۔ اسلامی ریاست انتظامیہ کے ذریعہ ان قوانین کی پابندی کرائے۔ ججز حضرات عدالتوں میں اس قانون کے مطابق فیصلے کرنے کے پابند ہوں پس تقنین کا سب سے اہم اور آخری مرحلہ تنفیذ قانون ہے۔[1]

تقنین کے محاسن وعیوب

فقہ اسلامی کی تقنین کے بارے میں علمائے کرام میں اختلاف ہے۔ علمائے کرام کا ایک گروپ اس کا قائل ہے جبکہ دوسرا گروہ مانعین کا ہے۔ مانعین تقنین کے بہت سے عیوب بیان کرتے ہیں۔ تقنین کی صورت میں مسلمانوں کو ایک مدون قانون کا پابند بنایا جاتا ہے جو انسانوں کا بنایا ہوا قانون ہے نہ کہ احکام شریعت۔

شریعت اسلامیہ اتنی جامع ہے کہ وہ آنے والے واقعات اور مسائل کو اپنے اندر سمو لیتی ہے لہٰذا انسانوں کو قانون سازی کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ یہ بات انسانی بساط میں نہیں ہے کہ ہر نئے پیش آنے والے مسئلہ کے لیے پہلے سے قانون وضع کر لیا جائے ججز اور منصفین حضرات کو فقہائے کرام کی آراء میں سے کسی ایک رائے کا پابند بنایا جاتا ہے جو کہ غیر مناسب اور غیر شرعی رویہ ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ تقنین کی صورت میں ذہنی و فکری جمود پیدا ہو جاتا ہے سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت مفقود ہو جاتی ہیں قانون کے اندر سختی کا پہلو غالب آ جاتا ہے اور وہ لچک شریعت اپنے احکامات میں جس کا لحاظ رکھتی ہے وہ رفتہ رفتہ ختم ہو جاتی ہے۔[2]

قائلین تقنین کا موقف یہ ہے کہ قرآن و سنت کی روشنی میں احکام شرعیہ کی تقنین ججز، ماہرین قانون

---

[1] حافظ محمد زبیر، عصر حاضر میں اجتماعی اجتہاد، مقالہ پی ایچ ڈی شیخ زاید اسلامک سنٹر پنجاب یونیورسٹی سیشن 2003 تا2010ص 148،149

[2] ایضاً ص155.156

اور عوام الناس کے لیے انتہائی سود مند ہے۔اس طرح ان تمام لوگوں کے لیے کسی بھی مسئلہ کے بارے میں شرعی قانون کو معلوم کرنا آسان ہو گا اگر تقنین کے بغیر معاملے کو یوں ہی چھوڑ دیا جائے تو عام لوگوں کے لیے احکام شریعت کی واقفیت بہت مشکل ہے۔ اس کے علاوہ اکثر و بیشتر اسلامی ممالک میں ججز حضرات عربی زبان سے ناواقف ہیں ۔اور عربی سے ناواقفیت کی وجہ سے وہ مصادر شریعت سے براہ راست استفادہ نہیں کر سکتے پھر ہر مذہب کی ایک علیحدہ رائے ہے۔ ان میں سے کچھ آراء راجح اور کچھ مرجوح ہیں بعض پر عمل ہوتا ہے اور بعض متروک ہیں۔ ججز حضرات کے بس کی بات نہیں کہ وہ وجوہ ترجیح کو جانیں اور اس کے بعد راجح رائے کو اختیار کر سکیں۔ علماء کی ایک جماعت قرآن وسنت اور فقہی مذاہب کی روشنی میں قانون سازی کریں جو لوگوں کو اپنی زندگیاں شریعت کے مطابق ڈھالنے میں مدد دے۔اس طرح سے شرعی قانون سے واقف ہونا اور اس کی پابندی کرنا آسان ہو گا۔ کسی ایک علاقے یا کسی ایک ملک میں ایک ہی قانون رائج ہو نہ کہ مختلف قاضی اپنے اپنے اجتہاد کی روشنی میں ایک قضیہ کے بارے میں مختلف فیصلے کریں۔ کسی ریاست قرآن وسنت کو بالاتر)کی بنیاد پر قانون سازی نہ کی جائے تو ہر قاضی فیصلہ کرتے وقت مجتہد بھی ہو گا کیونکہ اس نے پیش آمدہ قضیہ میں قرآن وسنت سے رائے اخذ کرنی ہے پھر اس کی تطبیق بھی کرنی ہے۔اب اجتہاد میں اختلاف کی بنیاد پر ہر قاضی کی رائے دوسرے سے مختلف ہو گی۔اس کے برعکس ایک متعین قانون بنا کر دے دیا جائے تو وہ اس کے مطابق فیصلہ کرنے کے پابند ہوں گے اور اس قسم کا اختلاف رونما نہیں ہو گا۔

رہی بات مانعین تقنین کے اعتراضات کی اور تقنین کے عیوب کی تو ججز اور قاضیوں کو اسی طرح عوام الناس کو کسی ایک قانون کا پابند بنانا انتظامی ضرورت ہے اور اس کا شریعت بھی لحاظ رکھتی ہے اسی بنیاد پر قضاء قاضی شرعی وانتظامی طور پر نافذ ہوتا ہے اور اسلام کی جامعیت سے کوئی انکار کر ہی نہیں سکتا۔ تقنین سے اسلام کی جامعیت مزید واضح ہوتی ہے ۔اس مرتب قانون کی بنیاد بھی مصادر شریعت اور قرآن و سنت ہی ہے نہ کہ انسانوں کی آراء۔ جمود پیدا ہونا اور لچک کا ختم ہونا تو تب ہو کہ جب فقہ اسلامی کی تدریس اور تصنیف پر پابندی لگائی جائے یہ تو صرف احکام کی تنفیذ کے لیے اختیار کیا جانے والا راستہ ہے، جو وقت کی اہم ضرورت ہے۔ احکام اسلامی کا نفاذ ہر درد دل رکھنے والے مسلمان کی دیرینہ خواہش ہے اور عصر حاضر میں اس کے نفاذ کے لیے تقنین انتہائی

اہم ہے۔[1]

قائلین ومانعین کے دلائل کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ بات سمجھ میں آتی ہے وقت کے جید علمائے کرام اور اجتہاد کا ملکہ رکھنے والے فقہائے کرام مل کر تقنین کا راستہ اختیار کریں تو یہ اسلام کے لیے بہت سود مند ثابت ہو گا۔ ججز وکلاء اور عصری علوم سے وابستہ لوگوں کو دینی احکام سمجھنے اور ان پر عمل کرنے میں بہت آسانی ہو گی۔

فقہ اسلامی کی نظریہ سازی تنفیذ قانون کے تناظر میں

فقہی نظریہ اس مجرد تصور کا نام ہے جو جزئی اور فرعی احکام کو منضبط کرنے والے قواعد عامہ کو یکجا کرے۔ نظریہ ذہن میں قائم ہونے والا وہ تصور ہے جو فکر منطق کے تسلسل سے پیدا ہوتا ہے یا جزئی وفرعی احکام کے استقراء سے حاصل ہوتا ہے۔ یہ تصور تجریدیت سے متصف ہوتا ہے کیونکہ اس میں اس بات کی کوشش کی جاتی ہے کہ تطبیقی صور تحال سے بلند ہو کر تطبیق کے پیچھے کارفرما نظریہ و تصور تک رسائی حاصل کی جائے۔ نظریہ ایک جامع تصور ہے جو موضوع کے تمام اطراف اور پہلوؤں کا احاطہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ تمام مراتب و درجات اور اس کے تمام اثرات سے بحث کرتا ہے۔ نظریہ جس جامع تحریری تصور کا نام ہے اسے دریافت کرنے کے لیے اس موضوع سے تعلق رکھنے والے تمام ظواہر واحکام میں پائے جانے والی مشترک صفات کا پتہ لگایا جاتا ہے ان کے ذریعے موضوع کے مشترک اور عام قواعد معلوم کیے جائیں۔ کسی متعین مظہر یا مخصوص حکم میں پایا جانے والا وصف نظریاتی تصور میں دخیل نہیں ہوتا۔[2]

مسلمانوں کے علمی ذخیرے میں موجود اسلامی فقہ پر لکھی جانے والی کتابیں عموماً قدیم اسلوب میں لکھی گئی ہیں۔ ہر شعبہ زندگی سے متعلق مسائل کو مختلف ابواب میں فروعات کی شکل میں ترتیب دیا گیا ہے۔ فقہ اسلامی کے بنیادی نظریات انہیں فروعات میں پوشیدہ ہوتے ہیں یعنی ہماری فقہ کی بنیادی کتب فروع سے بحث کرتی ہیں۔ تاہم جدید عصری تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے یہ طریقہ اب کارآمد نہیں رہا اور مغربی قوانین کا مقابلہ کرنے سے قاصر ہے۔ اس قدیم اسلوب کی وجہ سے فقہ اسلامی کی اہمیت میں کمی ہوتی جا رہی ہے۔ اس لیے کہ مغربی قوانین

---

[1] حافظ محمد زبیر، عصر حاضر میں اجتماعی اجتہاد، مقالہ پی ایچ ڈی شیخ زاید اسلامک سنٹر پنجاب یونیورسٹی، ص154

[2] جمال الدین عطیہ، ڈاکٹر فقہ اسلامی کی نظریہ سازی، مترجم عتیق احمد قاسمی اردو بازار لاہور، الفیصل ناشران وتاجران کتب، س ن ص6

براہ راست نظریات سے بحث کرتے ہیں اور مغربی اقوام سے اختلاط کی وجہ سے مسلم معاشروں میں بھی مغربی قوانین کی چھاپ نظر آتی ہے۔ عصر حاضر کی اہم ضرورت تھی کہ اسلامی فقہ کو ایسے اسلوب میں پیش کیا جائے کہ جو جدید تعلیمی اداروں کے طلبا اور بالخصوص قانون کے طلبہ کے لیے عام فہم ہو۔[1]

اس میدان میں ڈاکٹر مصطفی الزرقا کا کام نمایاں ہے آپ نے اپنے معروف سلسلہ "الفقہ الاسلامی فی ثوبہ الجدید" کی اہم کتاب "المدخل الفقہی العام" میں پانچ بنیادی نظریات نظریہ ملکیت، نظریہ عقود، نظریہ موئدات شرعیہ، نظریہ ولایت واہلیت اور نظریہ عرف بیان کیے ہیں اوران نظریات کے تحت فروعات کو بیان کرکے ان پر نظریات کا انطباق بھی کیا ہے نیز ان نظریات کے اسباب نتائج اور خصائص پر بھی روشنی ڈالی ہے۔

ان کے علاوہ ڈاکٹر وہبہ الزحیلی اور ڈاکٹر جمال الدین عطیہ نے بھی فقہ اسلامی کی نظریہ سازی پر بحث کی ہے بلاشبہ ان حضرات کا کام قابل قدر ہے اور انتہائی اہم ہے لیکن یہ اس سلسلے کی ابتدائی کڑی ہے اس سلسلے کو آگے بڑھانے کی ضرورت ہے اور فقہ اسلامی کے تمام کتب اور نصاب کو اسی ترتیب میں ڈھالنے کی ضرورت ہے۔

مقاصد شریعت کا جدید تصور اور فعالیت

مقاصد شریعت سے مراد وہ بنیادی مقاصد اور اہداف ہیں جو اسلامی شریعت کے جملہ احکام میں بالواسطہ یا بلا واسطہ پیش نظر رہتے ہیں۔ ایک اعتبار سے شریعت اسلامیہ کی عمومی حکمت کے لیے مقاصد شریعت کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے شریعت کے احکام میں جو مصلحتیں پوشیدہ ہیں جو حکمتیں پیش نظر ہیں اس کا مطالعہ مقاصد شریعت کے عنوان کے تحت کیا جاتا ہے۔[2]

مقاصد شریعت کی اصطلاح سب سے پہلے امام الحرمین جوینی نے استعمال کی اصول فقہ پر ان کی کتاب البرہان میں مقصد، مقاصد اور قصد وغیرہ کے الفاظ کثرت سے استعمال کیے گئے ہیں۔ ان کے بعد امام غزالی نے مقاصد شریعت کو باضابطہ شکل دی۔ امام غزالی نے فرمایا مصلحت سے ہماری مراد مقصود شریعت کی محافظت ہے۔ اور شریعت کا مقصد خلق خدا کے سلسلہ میں پانچ چیزوں سے عبارت ہے۔ دین، جان، عقل، نسل اور مال۔ اسی بات کو

[1] حنا محبوب، آسیہ شبیر، ثمینہ سعدیہ، المدخل الفقہی العام (شیخ مصطفی احمد الزرقا) تحقیقی جائزہ، الاضواء 29:42 شیخ زاید اسلامک سنٹر لاہور ص 93,94

[2] ڈاکٹر محمود احمد غازی، محاضرات فقہ، لاہور، الفیصل ناشران وتاجران کتب، 2005ء ص 295

پھر امام شاطبی نے اپنی کتاب الموافقات میں مزید استدلال کے ساتھ واضح کیا۔[1]

پانچ چیزیں مقاصد شریعت کہلاتی ہیں:

۱۔ تحفظ دین

سب سے پہلا مقصد دین کا تحفظ ہے اس سے مراد اللہ اور بندے کے درمیان ایک خاص رشتہ ہے جس کو منظم کرنے کے لیے قرآن و سنت میں بے شمار احکام دیے گئے ہیں۔ نماز کا حکم، روزے کا حکم، تلاوت کا حکم، ذکر کا حکم۔ تمام احکام اسلامی کا تعلق اسی رشتے سے جا نکلتا ہے جو اللہ اور بندے کے درمیان پایا جاتا ہے یہ شریعت کا سب سے بڑا اور سب سے پہلا بنیادی مقصد ہے۔[2]

۲۔ تحفظ جان

شریعت کا دوسرا بنیادی مقصد انسانی جان کا تحفظ ہے اس کا خون محفوظ اور معصوم ہے۔ ایک انسان کی جان لینا پوری انسانیت کی جان لینے کے برابر ہے۔ شریعت کے بے شمار احکام انسانی جان کی عزت اور کرامت اور انسان کے اس مرتبہ کے تحفظ کے لیے دیے گئے ہیں جس پر اللہ نے انسان کو فائز کیا ہے۔[3]

۳۔ تحفظ عقل

شریعت کا تیسرا مقصد انسانی عقل کا تحفظ ہے انسان اللہ کا جانشین اور خلیفہ ہے۔ اللہ کے احکام کا پابند اور مکلف ہے۔ ان سب ذمہ داریوں کی انجام دہی عقل پر موقوف ہے۔ اگر انسان عقل نہ رکھتا تو اس کا درجہ جانوروں سے مختلف نہ ہوتا۔ جتنے بھی اعمال انسانی عقل کو متاثر کرتے ہیں وہ سب شریعت میں ناجائز ہیں جیسے شراب نوشی، منشیات اور جادو ٹونہ وغیرہ۔[4]

---

1 محمد نجات اللہ صدیقی، مقاصد شریعت ایک عصری مطالعہ، اسلام آباد، فکر و نظر ج 41 شمارہ 4

2 محاضرات فقہ، لاہور، ص 295

3 ایضاً ص 311

4 محاضرات فقہ، ص 312

۴۔ تحفظ نسل

شریعت کا چوتھا بنیادی مقصد انسان کی نسل اور خاندان کا تحفظ ہے۔ نسل انسانی کی بقا اور تسلسل اسی بات پر موقوف ہے کہ خاندان کا ادارہ موجود اور محفوظ ہو۔[1]

۵۔ تحفظ مال

شریعت کے پانچواں بنیادی مقصد انسان کی جائیداد اور مال کا تحفظ ہے۔مال چاہے فرد کا ہو یا افراد کا ہو، جماعت کا ہو یا حکومت اور ریاست کا ہو، ان تمام اموال کا تحفظ شریعت کے بنیادی مقاصد میں سے ہے۔[2]

عصر حاضر میں جب شریعت کی تطبیق پر زور دیا جاتا ہے تو مقاصد شریعت کو بھی موضوع بحث بنایا جاتا ہے۔ڈاکٹر احمد ریسونی کہتے ہیں کہ اگرچہ یہ ایک دشوار گزار گھاٹی ہے لیکن پھر بھی اسے عبور کرنا ضروری ہے انہوں نے اجتہاد مقاصدی کے لیے چار امور پر زور دیا ہے۔

1. نصوص واحکام کا اپنے مقاصد سے ربط۔
2. عمومی کلیات اور خصوصی دلائل کے درمیان جمع۔
3. علی الاطلاق مصالح کا حصول اور مفاسد کا ازالہ۔
4. نتائج کا اعتبار۔[3]

نئے مسائل اور مقاصد شریعت کے باہمی ربط کے حوالے سے بعض معاصر تحقیقات بھی سامنے آئی ہیں۔ جیسے جامعہ زیتونیہ تیونس کے ایک ریسرچ سکالر نے "جینیٹک انجینئرنگ اور مقاصد شریعت" کے موضوع پر اپنا تحقیقی مقالہ پیش کیا ہے۔[4]

قرآن کریم اور احادیث مبارکہ سے مستنبطہ احکام کے پس پردہ مقاصد کو تلاش کرنا اور ان کو بیان کرنا

---

1 محاضرات فقه، ص313

2 ایضاًص313

3 ڈاکٹر جمال الدین عطیه، نحو تفعیل مقاصد الشریعه، دمشق، دارالفکر، 2001ء، ص185-186

4 ڈاکٹر جمال الدین عطیه مقاصد شریعت عصری تناظر میں مترجم: مولانا محمد ہشام الحق ندوی نئی دھلی، ایفا پبلیکیشنز، 2010ء، ص93

دوسرے نئے پیش آمدہ مسائل حوادث و نوازل میں مقاصد کا دو طریقے سے اعتبار کیا جا سکتا ہے ایک یہ کہ مقاصد شریعت کو سامنے رکھ کر حوادث و نوازل کا کوئی حل تلاش کیا جائے اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ فقہی نظائر کو تلاش کیا جائے اور ان فقہی نظائر میں پھر جو نظیر مقاصد شریعت کے زیادہ قریب تر ہے اس نظیر کو اختیار کرنا۔

فقہ اسلامی کا تقابلی مطالعہ

فقہ اسلامی کی تجدید کی ایک اہم جہت فقہ کا تقابلی مطالعہ یا فقہ مقارن ہے اور اس کو ہم تین اقسام میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

مختلف فقہی مذاہب کا تقابلی مطالعہ:

جیسے اہل سنت کے چاروں مذاہب حنفیہ شافعیہ مالکیہ اور حنابلہ کا باہمی تقابل اسی طرح فقہ جعفری اور غیر معروف فقہی مذاہب جیسے زیدی، اباضی اور ظاہری وغیرہ کا تقابل۔ مذاہب کے باہمی تقابل کے بے شمار فائدے ہیں۔ مذاہب کا باہمی تقابل کرکے اتفاقات اور فروق کو تلاش کیا جائے۔ اتفاقات ملت اسلامیہ کے اتحاد کو تقویت پہنچانے میں مدد دیں گے اور فروق فقہ اسلامی کی وسعت کا آئینہ دار ہیں بہت سے مسائل ایسے ہیں کہ کسی مذہب میں ان کا قابل عمل حل نہیں ہے تو دوسرے مذہب میں اس کا حل مل سکتا ہے۔ نیز یہ اتفاقات اور فروق فقہ اسلامی کو ایک عالمی قانون بھی بنا سکتے ہیں۔ اسی طرح یہ تقابلی مطالعہ فقہ اسلامی کی دفع وار تدوین کے لیے بہت اہم ہے۔ ابھی تک جتنی بھی دفعہ وار تدوین ہوئی ہیں ان میں تقابلی مطالعہ نے اہم کردار ادا کیا ہے۔[1]

اسلامی ممالک کے وضعی قوانین سے تقابل

کسی بھی اسلامی ملک کے وضعی قوانین سے فقہ اسلامی کا یا اسلامی قانون کا تقابل اس ملک کے باشندوں کے لیے انتہائی اہم ہے۔ اس لیے کہ فقہ اسلامی اصل میں اسلامی قانون ہے جو ہم نے اپنے ملک کے قانون کے طور پر بھی نافذ کرنا ہے۔ اس تقابل سے یہ بات واضح ہو جائے گی کہ اس ملک کے کتنے قوانین اسلامی قوانین کے مطابق ہیں اور کتنے قوانین اسلامی قانون کے مخالف ہیں۔ اور یہ مخالفت کس درجہ کی ہے لہذا اسلامی قانون سے متصادم قوانین کو اسلامی بنانے میں اس تقابل سے مدد ملے گی۔ تقابل کرتے ہوئے ڈاکٹر مصطفی الزرقاء فرماتے ہیں ملک

---

[1] الزحیلی، جمال الدین عطیه وبهبه زحیلی، تجدید الفقه الاسلامی، بیروت دارالفکر 2000ءص43تا45

شائعہ ملک متمیزہ کی طرح ہے اور اس میں بھی تمام تصرف جائز ہیں سوائے تین تصرف کے۔ رہن، ہبہ اور اجارہ۔ حصہ شائعہ میں فقہ اسلامی نے رہن پر اس لیے پابندی لگائی ہے کہ مرتہن رہن پر قبضہ کرے گا تو دوسرے فریق کا حصہ بھی اس کے قبضے میں چلا جائے گا جو کہ دوسرے کے حق میں زیادتی ہے لیکن موجودہ دور میں رجسٹری کے نظام کے باعث ایسا کرنا درست ہے یعنی ملک شائعہ کو جس طرح بیچنا جائز ہے موجودہ دور کی سہولت کے پیش نظر اس کا رہن بھی جائز ہے۔ تقابل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہمارے شام کے مدنی قانون میں یہ شق موجود ہے" کل عقار جاز بیعه جاز رہنی" یعنی ہر غیر منقولہ جائیداد جس کی بیع جائز ہے اس کا رہن بھی جائز ہے۔[1]

غیر اسلامی قوانین سے تقابل

معاملات کی حد تک فقہ اسلامی کا غیر اسلامی قوانین سے تقابل بھی ہونا چاہیے تاکہ یہ معلوم کیا جا سکے کہ غیر اسلامی ممالک کی طرح اسلامی تعلیمات سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اور غیر اسلامی ممالک کے قوانین اور اسلامی قوانین میں اتفاقات اور فروق دعوت و تبلیغ میں بھی کارآمد ثابت ہو سکتے ہیں۔ جیسے ڈاکٹر مصطفی الزرقا نے اپنی کتاب میں نظریہ موئیدات شرعیہ کے تحت اسلامی نظریہ بطلان کو بیان کیا اور اس کے بعد فرانسیسی قانون میں اس نظریے کی وضاحت کی۔ فرماتے ہیں کہ فرانسیسی قانون میں نظریہ بطلان کو دو قسموں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ایک بطلان مطلق اور دوسرا بطلان نسبی۔ بطلان مطلق اپنی فکر، قواعد اسباب اور نتائج میں فقہ اسلامی کے نظریہ بطلان مطلق کے مشابہ ہے اور بطلان نسبی یہ عقد ارادی کی مختلف حالتوں میں سے بعض حالتوں میں منعقد ہونے والا عقد ہوتا ہے جسے عیوب الرضاء کا نام دیا گیا ہے ایسی حالتوں میں بطلان نسبی کا انعقاد صحیح ہوگا اور قانونی طور پر واجبات اور ذمہ داریاں نافذ ہو جائیں گی، لیکن یہ دو عقد کرنے والوں کے عقد میں ابطال کی صلاحیت رکھتا ہے۔ آخر میں انہوں نے فرانسیسی نظریہ کے بطلان پر نقد بھی کیا ہے۔[2]

---

[1] المدخل الفقہی العام ص367،368

[2] المدخل الفقہی العام ص771،772

تلفیق بین المذاہب کا راستہ اپنانے کی ضرورت

لغوی اعتبار سے تلفیق کا معنیٰ کپڑے کے ایک ٹکڑے کو دوسرے کے ساتھ سی دینا جیسے عرب کہتے ہیں" لفقت الثوب"[1]

اصطلاح شریعت میں تلفیق کہتے ہیں:

"القیام بعمل یجمع فیه بین عدة مذاہب حتی لا یمکن اعتبار ہذا العمل صحیحا فی ای مذہب من المذاہب[2]

"کسی عمل کے قیام میں اس طرح مختلف فقہی مسالک کو جمع کر دینا کہ وہ عمل کسی بھی مسلک میں صحیح شمار نہ ہو۔"

یعنی ایک عمل کے کئی ارکان اور جزئیات ہوں۔ ہر جزئی میں کسی علیحدہ فقیہہ کی رائے کو اختیار کیا جائے اور وہ مرکب عمل کسی فقیہ کے نزدیک جائز نہ ہو۔ تلفیق کے بارے میں علماء کے مابین اختلاف ہے ایک گروہ مانعین کا ہے، اور ایک گروہ مجوزین کا۔ مانعین کے مطابق تلفیق کے باعث خرق اجماع کی نوبت آتی ہے۔ اور جو حکم تلفیق کے نتیجے میں وجود میں آتا ہے بالاجماع حرام ہے۔ جبکہ مجوزین کا کہنا ہے کہ اصولیین کا معتد بہ گروہ تلفیق کے جواز کا قائل ہے۔ اور یہ دور تقلید کی بحث ہے اس لیے سلف کے ہاں اس بحث کا سراغ نہیں ملتا۔[3]

قریب کے دور میں تلفیق کی مثال بیان کرتے ہوئے مولانا مفتی رفیع عثمانی فرماتے ہیں کہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی نے ستم رسیدہ عورتوں کی مشکلات کا فقہی حل تلاش کرنے کے لیے متعدد حضرات کو "الحیلۃ الناجزہ" کی ترتیب کے لیے مقرر فرمایا۔ میرے والد ماجد اور مولانا عبد الکریم گمتھلوی ان میں شامل تھے۔ ان میں کئی مسائل میں فقہ مالکی پر فتویٰ دیا گیا لیکن اس فتوی کو شائع نہیں کیا جب تک کہ ہندوستان کے تمام ارباب فتویٰ سے مراجعت نہیں ہو گئی اور اصحاب افتاء کی آراء اور تنقیدیں حاصل نہیں ہو گئیں۔ حرمین شریفین کے فقہاء

---

[1] ابن منظور افریقی، محمد بن مکرم ،لسان العرب، بیروت ،دار التراث العربی، 1996ء، 10:230

[2] محمد رواس قلعه جی، معجم لغة الفقہاء، بیروت، دارالنفائس۔1996ء، ص142

[3] ڈاکٹر حافظ عبدالباسط خاں، فقہ اسلامی کی تشکیل جدید: بنیادی اصول و ضوابط، مجلہ علوم اسلامیہ ودینیہ، جولائی۔ دسمبر 2020، جلد 5، شمارہ 2

سے خط وکتابت ہوئی، اور ان تمام مراحل کے بعد اس کو کتابی شکل میں شائع کرایا۔ متاخرین کی ایک بڑی جماعت نے تلفیق بین المذاہب کے منہج کو برقرار رکھا ہے۔[1]

اسلامی فقہ اکیڈمی انڈیا کے جنرل سیکرٹری مولانا خالد سیف اللہ رحمانی فرماتے ہیں کہ فقہاء حنفیہ کے یہاں اس سلسلے میں بہت سی نظیریں موجود ہیں۔ شوہر میں بعض عیوب وامراض کے پیدا ہو جانے کی صورت میں تفریق کا حق، مفقود الخبر کی زوجہ کے لیے تفریق کا حق، تعلیم قرآن اور اذان امامت پر اجرت، کمیشن ایجنٹ کے کاروبار جیسے کتنے ہی مسائل ہیں جن میں متاخرین فقہاء نے دوسرے مکاتب فکر کی آراء سے فائدہ اٹھا کر امت کو مشقت سے بچایا۔[2]

طریقہ اجتہاد میں تجدید:

اجتہاد کا لغوی معنی: لفظ اجتہاد کا مادہ جہد ہے۔ جو عربی زبان میں بنیادی طور پر دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے ایک مشقت اور دوسرے طاقت۔ اجتہاد اور تجاہد کا مطلب ہے پوری طاقت و قوت کو خرچ کرنا۔ یعنی مقدور بھر کوشش کرنا۔[3]

اجتہاد کی اصطلاحی تعریف: ویسے تو اجتہاد کی بے شمار تعریفیں ہیں ہر فقیہ اور مجتہد نے اجتہاد کی تعریف کی ہے۔ لیکن اجتہاد کی سب سے پہلی تعریف جو تحریری شکل میں ہم تک پہنچی ہے وہ امام شافعی رحمہ اللہ کی ہے۔[4]

امام غزالی رحمہ اللہ اجتہاد کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں "بذل المجتهد وسعه فی طلب العلم باحکام الشرعيه "[5] حکم شرعی سے متعلق علم کی تلاش کو اجتہاد کہا جاتا ہے۔ ہر دور کے نئے مسائل کے حل کے لیے اجتہاد بنیادی اہمیت رکھتا ہے اسی طرح عصر حاضر میں اجتہاد کی اہمیت سب پر عیاں ہے۔ اجتہاد سے متعلق اس

---

[1] جدید فقہی مباحث، خطبہ صدارت، مفتی رفیع عثمانی، کراچی، ادارة القرآن، 2009، 31:2

[2] منصوری، محمد طاہر، ڈاکٹر، (مؤلف) اجتماعی اجتہاد تصور، ارتقاء اور عملی صورتیں، ادارہ تحقیقات اسلامیہ بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد، 2007، ص 243

[3] خلیل بن احمد الفراہیدی ، کتاب العین بیروت، دار احیاء تراث العربی، س ن، ص160

[4] عصر حاضر میں اجتماعی اجتہاد، ص:156

[5] الغزالی، محمد بن محمد ، المستصفی من علم الاصول ، مصر ، دارالھدی، ص: 342

وقت دو نقطہ نظر پائے جاتے ہیں ایک یہ کہ دین کے معاملات میں جتنا اجتہاد ضروری تھا وہ ہو چکا اب اس کی ضرورت نہیں۔ اس وقت اجتہاد کا دروازہ کھولنے سے دین کے احکام و مسائل کے حوالے سے ایک پنڈورا بکس کھل جائے گا اور اسلامی احکام و قوانین کا وہ ڈھانچہ جو چودہ سو سال سے اجتماعی طور پر چلا رہا ہے اس کو نقصان پہنچے گا لہذا اجتہاد کے عنوان سے کوئی بات نہ سنی جائے۔ دوسرا نقطہ نظر یہ ہے کہ اجتہاد آج کے دور کی سب سے بڑی ضرورت ہے، دین کے پورے ڈھانچے کو دوبارہ اس عمل سے گزارنا وقت کا اہم تقاضا ہے اور ہر سطح پر اجتہاد ہونا چاہیے۔ خاص طور پر جدید مسائل و مشکلات اور عالمی ماحول کے معاشرتی تقاضوں کا اجتہاد کی روشنی میں حل نکالا جائے تاکہ جدید عالمی فکر اور اسلام میں ہم آہنگی پیدا کی جائے۔ ہمارے نزدیک یہ دونوں نقطہ نظر انتہا پسندانہ ہیں، دونوں فریقوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے اپنے موقف اور نقطہ نظر کا از سر نو جائزہ لیں اور تحفظات اور اقدامات کا لحاظ کرتے ہوئے اعتدال اور توازن کا موقف اختیار کریں۔ اعتدال پسند طبقہ کی رائے یہ ہے کہ اجتہاد وقت کی اہم ضرورت ہے، لیکن اجتہاد کی اجازت چند شرائط کے ساتھ دی جائے گی۔ منصوص علیہ مسائل، مسلمات اور متفق علیہ چیزوں کو اجتہاد کا نام لے کر نہیں چھیڑا جائے گا صرف مجتہد فیہ مسائل اور حوادث و نوازل میں وہ لوگ اجتہاد کریں گے جو اجتہاد کا ملکہ رکھتے ہوں۔ یعنی اجتہاد کا میدان بھی مخصوص ہو گا اور مجتہدین بھی مخصوص ہوں گے۔[1]

اور صدیوں سے اجتہاد کے جو طریقے چلے آ رہے ہیں اب صرف انہیں طریقوں سے اجتہاد مفید نہیں ہو گا بلکہ عصر حاضر میں اجتہاد کے طریقہ کو بھی بدلنا پڑے گا۔ ذیل میں اجتہاد کی ان اقسام کو بیان کیا جاتا ہے جو عصر حاضر کے مسائل کے حل کرنے میں مدد دے سکتی ہیں۔

اجتماعی اجتہاد: موجودہ دور کے مسائل کے حل کے لیے اجتماعی اجتہاد سب سے زیادہ مفید ثابت ہو سکتا ہے۔

اجتماعی اجتہاد کی تعریف:

"الاجتہاد الجماعی ھو استفراغ اغلب الفقہاء الجھد لتحصیل ظن بحکم شرعی بطریق الاستنباط واتفاقھم جمیعا او اغلبھم علی الحکم بعد التشاور"[2]

---

[1] مولانا زاہد الراشدی، عصر حاضر میں اجتہاد چند فکری و عملی مباحث، گوجرانوالہ، الشریعہ اکادمی 2008ء، ص 7

[2] عبدالحمید السوسوہ اشرفی، الاجتہاد الجماعی فی التشریع الاسلامی، قطر، وزارت اوقاف و مذہبی امور،

اجتماعی اجتہاد فقہاء کی اکثریت کا کسی حکم شرعی کے علم کے حصول میں اپنی کوشش صرف کرنا ہے اور یہ علم استنباط کے طریقے سے حاصل ہو گا اور مشورہ کے بعد ان تمام فقہاء کا یا اکثر کا اس پر اتفاق ہو گا۔

یہ اختصاص کا دور ہے معاشرت، معیشت اور طب کے میدانوں میں اختصاص در اختصاص کے نتیجے میں مزید کئی شعبے نمودار ہو چکے ہیں ایسی صورتحال میں کسی ایک مجتہد یا عالم کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ پیش آمدہ مسائل کی حقیقت سے خوب واقف ہو۔ مسائل کے لیے اجتماعی غور و خوض کی ضرورت ہے۔ مختلف میدانوں کے ماہرین علماء کے مددگار اور معاون بنیں۔ پچھلی صدی سے اجتماعی اجتہاد کا سلسلہ عالم اسلام میں جاری و ساری ہے۔ اور یہ ادارے اجتماعی اجتہاد کے حوالے سے معروف ہیں۔

مجمع الفقہ الاسلامی جدہ۔

مجمع الفقہ الاسلامی مکہ مکرمہ۔

جمع الفقہ الاسلامی انڈیا۔

یورپین مجلس برائے افتاء و تحقیق۔

اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان۔

وفاقی شرعی عدالت پاکستان۔

اجتہاد مقاصدی:

اجتہاد مقاصدی بھی اجتہاد استنباطی کی طرح ہے البتہ اس میں نظیر متعین شکل میں موجود نہیں ہوتی اور یہاں حکم اشتراک علت کی بناء پر نہیں بلکہ مصلحت معتبرہ کی بناء پر لگایا جاتا ہے بلکہ جہاں استنباط میں تنگی محسوس ہو یا شریعت کے مقاصد اور مصلحت و حکمت سے دور ہو جائے وہاں مقاصد کو سامنے رکھتے ہوئے راہ نکال لی جائے۔ اجتہاد مقاصدی وقت کی اہم ضرورت ہے۔ اسے قواعد و ضوابط کا پابند بنایا جائے۔ افراط و تفریط سے ہٹ کر اس کے حدود و قیود اور طریقہ کار کو منضبط کیا جائے۔

1814ھ، ص46

عصری تقاضوں کے مطابق تصنیف و تالیف کا اہتمام

فقہی کتب کو سادہ زبان اور آسان اسلوب میں تحریر کیا جائے نیز تحریروں میں متون اصلیہ کی طرح حد سے زیادہ ایجاز واختصار نہیں ہونا چاہیے جو کہ فہم میں مخل ہو اور اسی طرح ضرورت سے زیادہ طوالت سے بھی اجتناب کیا جائے تا کہ محض تھکاوٹ کا باعث نہ بنے اتنا ہی کلام کیا جائے جس سے بات آسانی سے سمجھ میں آئے اور بوجھ بھی محسوس نہ ہو۔ مسائل میں روایتی مثالوں کے ساتھ ساتھ موجودہ زمانے کی مثالیں بھی شامل کی جائیں۔ توضیحی چارٹس، نقشے اور گرافس کا بھی اہتمام کیا جائے۔ جدید طرز پر تصانیف کے لیے خاکہ بندی انتہائی ضروری ہے خاکہ بندی سے اہداف کا حصول بھی آسان ہو جاتا ہے اور کام کافی حد تک منظم ہو جاتا ہے اور یہ کام انفرادی طور پر نہیں بلکہ اجتماعی طور پر پر انجام دیا جاسکتا ہے۔[1]

تعبیرات واصطلاحات کی تجدید

اس جدید دور میں تجربہ گاہوں میں زوال نجاست کے کئی طریقے بیان کیے گئے ہیں لیکن ہماری درسگاہوں میں آج بھی قلتین کی بحث جاری ہے۔ اور استنجاء کے پتھروں کی تعداد کے متعلق ابحاث پر کئی کئی دن گزار دیئے جاتے ہیں۔ اس طرح ناپ تول کے قدیم پیمانے ذراع، باع جریب اور قفیز کا استعمال تقریباً ناپید ہو چکا ہے۔ پہلے تو ان کے ذکر کی ضرورت نہیں اور اگر ان کو ذکر کیا بھی جائے تو جدید پیمانوں کو بھی ساتھ شامل کیا جائے اور ان کی وضاحت کی جائے۔ جانوروں کی زکوۃ کے بیان میں بنت مخاص، بنت لبون، حقہ اور جذعہ کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے لیکن مال کی جدید صورتیں اور ان کی زکات کے بیان میں پھر بھی غفلت برتی جارہی ہے۔ دنیا سے غلامی ختم ہوگئی ہے لیکن ہماری کتابوں میں ابھی بھی غلام، باندی اور ام ولد کی ابحاث نہ صرف موجود ہیں بلکہ ان کو باقاعدہ تفصیل کے ساتھ پڑھایا بھی جاتا ہے۔[2]

طریقہ تدریس میں بہتری

فقہ اسلامی کی تجدید میں طریقۂ تدریس میں بہتری ایک اہم سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ نصاب اور

---

[1] تجدید الفقه الاسلامی ص45

[2] ایضاً

پڑھانے کے طریقے دونوں میں بہتری کی ضرورت ہے۔ روایتی سلسلہ کے مدارس میں نصابی کتب ایک عرصہ سے متعین چلی آرہی ہیں ان پر نظر ثانی کو اسلاف کی روایت سے انحراف سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ طلبہ کے درجات اور استعداد کے مطابق امہات الکتب سے کتب کا انتخاب کیا جائے اور ان کی روشنی میں حوادث نوازل کو معاصر فقہاء کی تحریروں کی صورت میں شامل کیا جائے اور اصولوں کا انطباق بھی کیا جائے دوسری طرف جدید تعلیمی ادارے یا جامعات میں عموماً متاخرین کی کتب پر اعتماد کیا جاتا ہے جو موجودہ زمانے پر بحث تو کرتی ہیں لیکن ان میں اس درجہ کی علمیت نظر نہیں آتی۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ روایتی مدارس اور جدید تعلیمی ادارے دونوں میں طریقہ تدریس میں بہتری کی ضرورت ہے۔ متون اصلیہ کو طلبہ کی استعداد اور درجات کے اعتبار سے اس طرح تقسیم کیا جائے کہ طلبہ کو اپنے علمی ورثہ کا تعارف بھی ہو جائے اور موجودہ زمانے کے چیلینجز کا مقابلہ کرنے کے قابل بھی ہو جائیں۔

خلاصہ بحث

فقہ اسلامی کی تجدیدی جہتوں پر بحث سے یہ بات واضح ہو چکی کہ تجدید کے یہ وہ اصول وضوابط، خطوط اور بنیادی خدوخال ہیں کہ جن پر اگر تجدید فقہ کو استوار کیا جائے تو اسلام کی روح بھی باقی رہے گی روایتی فقہی ذخیرہ میں تشکیک بھی پیدا نہیں ہو گی۔ اور عصر حاضر کے تمام مسائل اور چیلنجز بھی حل ہو جائیں، اور مانعین تجدید کا تحریف تغییر کا اعتراض بھی باقی نہیں رہے گا۔ نفاذ اسلام کے لیے اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ بالخصوص ججز، وکلاء، ماہرین قانون اور عوام الناس کو اسلامی احکام سے روشناس کرانے کے لیے تقنین انتہائی بہترین راستہ ہے۔ مغربی قانون براہ راست نظریہ سے بحث کرتا ہے اس لیے اسلامی قانون کی حرکیت وفعالیت کو برقرار رکھنے کے لیے احکام کی نظریہ سازی انتہائی ضروری ہے۔ نئے پیش آمدہ مسائل کے حل کے لیے مقاصد شریعت کا جدید تصور اور ان کو فعال کرنا بہت معاون ثابت ہو گا۔ فقہ اسلامی کا تقابلی مطالعہ بہت سے معاصر چیلینجز سے نمٹنے میں اہمیت رکھتا ہے۔ اگر ایک مذہب میں کسی مسئلے کا حل نہ ہو تو دوسرے مذہب سے اس کا حل لے لیا جائے۔ اسی صورت کو تلفیق یا جمع بین المذاہب سے تعبیر کرتے ہیں۔ کسی اجتماعی مسئلہ کے حل کے لیے یہ طریقہ اختیار کرنا دین اسلام کی وسعت کی دلیل ہے، البتہ بلاضرورت شدیدہ اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔ اور وضع قوانین سے تقابل سے اتفاقات اور فروق سامنے آتے ہیں۔ جس سے احکام اسلامی کے نفاذ میں معاونت ہوتی ہے۔ جمود سے

بچنے کے لیے اجتہاد انتہائی ضروری ہے۔ عصر حاضر میں اجتہاد کے بھی جدید طریقے اپنانے کی ضرورت ہے مثال کے طور پر اجتماعی اجتہاد اور اجتہاد مقاصدی۔ ان تمام مقاصد کے حصول کے لیے ہمیں تصنیف و تالیف کا طریقہ کار بدلنا ہو گا۔ روایتی تعبیرات اصطلاحات کو جدید پیرائے میں ڈھالنا ہو گا۔ اس وقت کے مطابق مثالوں سے اپنی کتابوں کو مزین کرنا ہو گا اور پھر اسی نہج پر طریقہ تدریس میں بھی بہتری لانے کی ضرورت ہے۔